قواعد شرعیہ اور فقہی ضروریات

زبیدہ بیگم
ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

Abstract

A common man cannot extract the solutionfrom text of Quran & Hadith. to solve this issue Principle of Islamic Jurisprudence has been develop by the jurist (fuqaha). Jurist exerted tremendous efforts in the field of Islamic Jurisprudence and has set the rules and legal maxims for the convenience of ulema to sort out the solutions. Amongst various rules there are seven basic causes specifically for the issues not mention in t text of Quran & Hadith. This article will discusses these seven causes like complications, necessities, common practice, customs, need , public interest with example and proper justifications.

Key words: *Islamic Jurisprudence, Asbab-e-Sab'aa,Jurists.*

ہماری فقہی ضروریات

فقہ میں کچھ مسائل ایسے ہیں جنہیں حل کرنے کیلئے قواعد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مسئلہ تحری اس شخص کے بارے میں جس کو قبلہ کا پتہ نا ہو اور کوئی خبر دینے والا بھی نہ ہو تو شریعت نے اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے قاعدہ شرعیہ **الاجتهاد لَا يَنقِضُ بِمِثْلِهٖ** وضع کیا کہ اگر کسی نے اپنے اجتہاد سے تحری کر کے کہ جس سمت اس کا دل جمے کہ قبلہ اس طرف ہے تو وہ نماز پڑھ لے اور ایک دفعہ تحری کر کے جس طرف نماز پڑھی دوبارہ جب تک قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو جائے یقینی طور پر ہر دفعہ تحری کر سکتا ہے جبکہ کپڑے کے پاک یا ناپاک ہونے کے بارے میں تحری ایک دفعہ کر لی تو دوبارہ دوسری تحری دوسرے کپڑے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنے اجتہاد سے ان کے علاوہ کپڑے میں جس کو پہلے ناپاک قرار دے چکا تھا نماز نہیں پڑھ سکتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ **الاجتهاد لَا يَنقِضُ**

بِـمِثْلِهکہ ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کو نہیں توڑ سکتا۔ یہ قاعدہ شرعیہ اور بہت سی جگہ پر مستعمل ہوا ہے جیسے کہ پانی کے بارے میں تحری کرنا۔ اسی طرح ایک قاضی نے اگر شہادت رد کر دی تو کسی اور کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کی گواہی قبول کرلے کیونکہ قاعدہ ہے ''لَایَنْقِضُ بِمِثْلِہٖ''۔

اسی طرح مسئلہ حلت وحرمت کے بارے میں بھی ہمیں فقہ میں قواعد شرعیہ کی ضرورت پڑتی ہے یعنی جب حلال وحرام جمع ہو جائیں تو کس کو ترجیح ہوگی؟ دونوں حلال ہوں گے یا دونوں حرام ہوں گے تو اس کے بارے میں قاعدہ شرعیہ ہے۔

قاعدہ شرعیہ : اذااجتمع الحلال والحرام غلب الحرام علی الحلال

جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو حرام کو حلال پر غلبہ حاصل ہوگا اور سب حرام ہو جائے گا۔ اس قاعدہ کی ہمیں فقہ میں درج ذیل مثالوں میں ضرورت پیش آتی ہے۔ جیسے کہ سکھائے ہوئے کتے کے شکار کے بارے میں کہ شکار میں ایک سکھایا ہوا کتا شریک ہو جائے اور ایک ایسا کتا شریک ہو جائے جو نہ سکھایا گیا ہو تو اس شکار کا کھانا جائز نہیں ہوگا کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ جب حلال وحرام جمع ہو جائیں تو حرام کو حلال پر غلبہ حاصل ہوگا کیونکہ کلب معلَّم کا شکار تو حلال ہوتا ہے لیکن کلب غیر معلَّم کا شکار حرام ہوتا ہے تو کل حرام ہو جائے گا، حلال پر حرام کو غلبہ حاصل ہوگا۔

ضرورت

لفظ ''اضطرار'' کا اسم ہے جو ''ضرر'' سے بنا ہے تو جو مفہوم اضطرار کا ہے وہی مفہوم ضرورت کا بھی ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ آیات اضطرار کو نقل کر کے لکھتے ہیں: (۱)

المعجم الوسیط میں ہے

الضرورۃ الحاجۃ الشدّۃُ لامدفع لھاوالمشفعۃ.الضروری: کل مالیس منہ بد (۲)

ضرورت کا معنی ہے حاجت اور سختی ومشقت جس میں مفر نہ ہو اور ''ضروری'' کہتے ہیں ہر اس چیز کو جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔

حضرت علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''کتاب التعریفات'' میں اس کی تعریف یہ لکھتے ہیں:

الضرورۃ:مشتقۃ من الضرروھوالنازل لامدفع لہ۔(۳)

''ضرورت'' ضرر سے مشتق ہے اور یہ وہ افتاد ہے جس کو ٹالا نہ جا سکے۔

اس تعریف میں ''افتاد'' کا لفظ عام ہے خواہ وہ دین پر پڑے یا جان، عقل، نسب، مال پر ایک ساتھ کسی بھی دو یا تین یا چار یا سب پر۔ یہی حال شدت ومشقت کا بھی ہے کہ یہ ''افتاد'' کی ہی دوسری تعبیرات ہیں۔ لہذا یہ بھی افتاد ہی کی طرح تمام کلیات کو عام ہیں۔ المنجد میں ہے:

ضر: ضرا ہ الی کذا: الجاہ اضرہ علی الامر:

اکدھه اضطره الی کذا: احوجه والجاه. الضروری:

ماتدعو الحاجة الیه دعاء قویا. ماا کده علیه الانسان.

ماسلب فیه الاختیار للفعل والترک (۴)

مجبور کیا، ناچار کیا۔ دھمکی دے کر مجبور کیا، ناچار کیا۔

محتاج بنایا، مجبور کیا، ناچار کیا۔ جس کی انسان کو شدید

حاجت پیش آئے جس پر انسان مجبور کر دیا جائے۔

جس میں انسان کے کرنے، نہ کرنے کا اختیار ختم کر دیا جائے۔

یہ ضرر، ضرورت، ضروری، اضطرار کے لغوی معنی ہیں اور سب میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے اور سب کا حاصل یہی ہے کہ ''ضرورت'' ایسے ضرر شدید کا نام ہے جس کو دور نہ کیا جا سکے، انسان کے بس سے باہر ہو اسی کیفیت کو بے بسی، ناچاری اور سخت مجبوری سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مفہوم ضرورت کی فقہی تعریف میں بھی لازمی طور پر پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے انکشاف سے عیاں ہوگا۔

ضرورت کی فقہی تعریف

مجبوری کی وہ حالت جس میں فعل یا ترک فعل پر دین، جان، عقل، نسب، مال میں سے کسی کا تحفظ موقوف ہو اور اس کے بغیر وہ فوت ہو جائے یا فوت ہونے کے قریب پہنچ جائے۔ مثلاً:

دین: دین کے تحفظ کے لئے ضروریات دین اور فرائض عین کی تعلیم، جہاد کی فرضیت اور مرتدین کی عبرتناک سزا کی مشروعیت وغیرہ۔

عقل: عقل کی حفاظت کیلئے مسکرات کا ترک اور شارب پر حد کا نفاذ۔

نسب: نسب کی حفاظت کے لئے نکاح کی سنت پر عمل، زنا سے اجتناب، زانی وزانیہ کے لئے رجم وحد کا لزوم۔

جان: جان کی حفاظت کے لئے اکل وشراب بقدر سد رمق، مہلکات میں پڑنے سے ممانعت، قصاص کی مشروعیت، قتل ناحق پر وعید شدید، دیت کا لزوم، باغیوں کی سرکوبی، وغیرہ۔

مال: کی حفاظت کے لئے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنا، مال لوٹنے والے سے قتال کی اجازت، اپنے مال کی حفاظت کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہادت کی بشارت، حد سرقہ کا وجوب، رہزنوں کی عبرتناک سزا کی مشروعیت، اسراف واضاعت مال کی ممانعت، متلفات کے تاوان کا لزوم وغیرہ۔ (۵) (لسان العرب)

ضروریات کی تحقق کی صورتیں

ضروریات کے تحقق کی کئی صورتیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔مخمصہ

یعنی شدید بھوک، پیاس جس کے باعث جان چلی جائے۔ارشاد ربانی ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۶)

''تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

۲۔اکراہ تام

اسے''اِکراہِ مُلجی'' بھی کہتے ہیں۔بہار شریعت میں مختار و شامی کے حوالے سے اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

''اکراہ تام یہ ہے کہ مار ڈالنے یا عضو کاٹنے یا ضرر شدید (سخت پٹائی) کی دھمکی دی جائے۔ضرر شدید کا مطلب ہے کہ اس سے جان اور عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو۔مثلاً کسی سے یہ کہنا کہ یہ کام نہ کرو ورنہ تجھے مارتے مارتے بیکار کردوں گا۔(۷)

۳۔ اقتضائے کلام

یعنی کلام کو صحیح بنانے کے لئے کوئی لفظ مقدر ماننا۔جیسے حدیث پاک: ''انما الاعمال بالنیات'' میں اسی وجہ سے ''حکم'' کا لفظ مقدر ماننے پر اجماع ہے۔چنانچہ اشباہ میں ہے:

علی ھذاقدرو احدیث ''انماالاعمال بالنیات''انہ من
باب المقتضی اذلایصح بدون التقدیر لکثرة وجود الاعمال
بذونھافقدرو امضافا، ای ''حکم الاعمال'' وھو نوعان،
وقداریدالاخدوی بالاجماع اھ(۸)

حدیث''انماالاعمال بالنیات''(اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں) باب مقتضی سے ہے کیونکہ جب کثیر اعمال بغیر نیت کے وجود میں آتے ہیں تو یہاں کوئی لفظ پوشیدہ مانے بغیر کلام صحیح نہیں ہوسکتا، لہذا یہاں علماء نے مضاعف پوشیدہ مانا تو عبادت ہوئی۔''حکم الاعمال''،اور معنی ہوا''اعمال کا حکم نیتوں کے ساتھ ہے''اور حکم کی دو قسمیں ہیں دنیوی واخروی اور یہاں''حکم'' سے بالاجماع حکم اخروی (ثواب) مراد ہے تو حدیث شریف کا معنی ہوا''اعمال کا ثواب نیتوں پر ہی ملے گا''۔

۴۔ ضرر شدید

یعنی ممنوع کا ارتکاب نہ کرنے پر اپنے یا دوسرے کے ضرر شدید کا گمان غالب ہو خواہ یہ ضرر جان یا مال کا ہو یا دین، عقل، نسب کا جیسے صاف صاف سچ بولنے پر ضرر شدید کا اندیشہ ہو تو پہلودار بات بولنے کی اجازت ہے جو بادی النظر میں کذب محسوس ہوتا ہے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو کذب صریح کی بھی اجازت ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَا یٰٓاِبْرٰھِیْمُ o قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا فَسْـَٔلُوْھُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ (۹)

''مشرک بولے اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے خداؤں (بتوں) کے ساتھ یہ کام کیا (کہ انہیں توڑ دیا)
فرمایا، بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا تو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہوں۔''

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا'' پہلودار کلام سے شمار کیا گیا ہے کہ آپ نے ''بڑے'' سے اپنی ذات مراد لی جب کہ مشرکوں نے اس سے ''بڑے بت'' کو سمجھا۔

ضرورت شرعیہ کے حجت ہونے کی دلائل

ضرورت شرعیہ کے حجت ہونے پر کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ میں کثرت سے شواہد پائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں اختصار سے پیش نظر چند نصوص کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۰)

''اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

قرآن مجید میں مردار، خون اور لحم خنزیر کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱)

''تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

حرج کے لغوی معانی

حرج کا لغوی معنی ہے تنگی، بہت زیادہ تنگی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ درجۂ حاجت میں ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے درجۂ ضرورت میں، بلکہ حق یہ ہے کہ حرج ایک کلی ہے جس کا ایک فرد حاجت ہے اور دوسرا فرد ضرورت۔

حرج کا اطلاق گناہ اور حرام کے مفہوم پر بھی ہوتا ہے مگر تنگی کا معنی ان میں بھی پایا جاتا ہے کہ گناہ خود ایک تنگی ہے یوں ہی حرام بھی بجائے خود ایک تنگی ہے، کیوں کہ شرعاً ان کے کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، اسی طرح اس کے مشتقات میں بھی یہ معنی کسی نہ کسی حیثیت میں پایا جاتا ہے۔ لغات القرآن ''مفردات'' میں ہے۔

حرج

اصل الحرج والحرج مجتمع الشیء وتصور منه ضیق مابینهمافقیل للفیق حرج وللاثم حرج. قال تعالیٰ، ثم لایجدوافی انفسهم حرجا. وقال عزوجل (وماجعل علیکم فی

الدین من حرج) وقدحرج صدره قال تعالیٰ(یجعل صدره ضیقا حرجا)(۱۲)

حرج

حرج اور حراج کا اصل معنی ہے دو چیزوں کے ملنے کی جگہ۔اس سے دونوں کی درمیانی جگہ کی تنگی کا تصور ہوتا ہے اسی لیے تنگی کو بھی حرج کہا جاتا ہے اور گناہ کو بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''پھر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں۔''اور اللہ عز وجل فرماتا ہے: ''اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

''قدحرج صدرہ'' اس کا سینہ تنگ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:''اور جسے اللہ تعالی گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے۔''

فقہ حنفی کی معتمد لغت ''المغرب''میں ہے:

حرج صدره :ضاق حرجا سینہ تنگ ہونا

ومنه الحرج فیق الماثم گناہ کی تنگی

وقال الزجاج: الحرج فی اللغة اضیق الضیق ومعناه انه ضیق جدا۔

علامہ زجاج نے فرمایا کہ حرج کا معنی ہے بہت تنگی۔ نیز لسان العرب میں ہے:

وحرج الیه لجاء عن ضیق واحرجه. الجاء علیه وحرج فلان الی فلان اذاضیق علیه.

واحرحت فلانا. میرثه الی الحرج وهوالضیق واخرجته. الجأته الی مضیق۔

تنگی کی وجہ سے پناہ لیا،مضطر کر دیا،تنگی میں ڈال دینا، میں نے اسی تنگی میں ڈال دیا، میں نے اسے تنگ جگہ کیلئے مجبور کر دیا۔

حرج ایک معنی کے لحاظ سے ضرورت اور دوسرے معنی کے لحاظ سے جاحت ہے۔

ان اقتباسات سے بنیادی طور پر حرج کے دو معانی سامنے آئے۔

ا۔سخت تنگی

جس میں فعل کی استطاعت نہ رہے جیسے اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکے۔نماز نہ پڑھ سکے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سخت مشقت بھی ہے۔

۲۔تنگی

جس میں فعل کی استطاعت ہو، گو کہ اس میں مشقت ودشواری ہو۔جیسا کہ کثیر امور میں ایسا ہی ہے۔حرج اپنے پہلے معنی کے لحاظ سے ضرورت ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے حاجت۔ضرورت کو اضطرار بھی کہا جاتا ہے۔فقہ کی کتابوں میں جہاں کہیں حرج کا اطلاق پایا جاتا ہے اور شریعت بوجہ حرج آسانی فراہم کرتی ہے۔ان تمام مقامات پر بھی یہ لفظ کہیں ضرورت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کہیں حاجت کے معنی میں۔ یہاں تک کے مفسرین کرام نے قرآن حکیم میں وارد لفظ حرج کی تفسیر بیان فرمائی ہے وہ بھی ضرورت وحاجت سب کو عام ہے۔

حرج کی تعریف

اس لحاظ سے حرج کی تعریف یہ ہوئی:

ایسی تنگی جس کے باعث کلیات خمسہ دین، جان، عقل، نسب، مال میں سے کسی ایک کے تحفظ میں بندے کو مشقت ودشواری پیش آئے خواہ اس کے باعث یہ کلیات فوت وقریب فوت ہو یا نہ ہوں۔

دفع حرج کی تعریف

اوراس کی تنگی کو دور کردینے کا نام ''دفع حرج'' ہے۔ بلفظ دیگر تعریف یوں ہوگی۔ جس تنگی کی وجہ سے دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی بھی ایک کے تحفظ میں بندے کو مشقت ودشواری پیش آئے۔ اس کو دور کرکے تحفظ فراہم کردیا جائے۔ مثلاً سخت بھوک یا پیاس سے جاں بلب انسان کو کھانا کھلا دیا جائے یا پانی پلا دیا جائے۔

حرج کی تین صورتیں ہیں

مضرت، مشقت، دقت۔

خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ بھی اسے معنی عام ہی استعمال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: **اقول: وباللہ التوفیق** ۔
حرج کی تین صورتیں ہیں:

ایک: یہ کہ وہاں پانی پہنچانے میں مضرت ہو۔ جیسے آنکھ کے اندر۔

دوم: مشقت ہو جیسے عورت کی گندھی ہوئی چوٹی۔

سوم: بعد علم واطلاع کوئی ضرر ومشقت تو نہیں، مگر اس کی نگہداشت اور اس کی دیکھ بھال میں دقت ہے۔ مکھی، مچھر کی بیٹ یا الجھا ہوا گرہ کھایا ہوا بال۔

قسم اول کے معانی تو ظاہر اور قسم سوم میں بعد اطلاع ازالۂ مانع ضرور ہے مثلاً جہاں مذکورہ صورتوں میں بندی، سرمہ، آٹا، روشنائی، رنگ، بیٹ وغیرہ میں سے کوئی چیز جمی ہوئی دیکھے تو اسے چھڑالے کہ ازالہ میں تو کوئی حرج تھا ہی نہیں تعاہد میں تھا، بعد اطلاع اس کی حاجت نہ رہی

''ومن المعلوم ان ما کان لضرورۃ تقدر بقدرھا. ھذا ماظھر والعلم بالحق عند ربی. (۱۳)

ان مثالوں میں عورت کو اپنی گندھی ہوئی چوٹی کھولنے میں جو حرج ومشقت ہے وہ صرف درجۂ حاجت میں ہے اور مکھی مچھر کے بیٹ سے بچنا درجۂ ضرورت میں۔ اس تفصیل سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوگا کہ حرج کے مفہومِ لغوی ومفہومِ شرعی دونوں ہی حاجت وضرورت کو عام ہیں۔ اس میں فقہا جہاں حرج کی وجہ سے آسانی کا حکم دیتے ہیں وہاں وہ کبھی درجہ ضرورت میں ہوتا ہے اور کبھی درجہ حاجت میں اور عنقریب دفع حرج کے مسائل سے بھی یہ حقیقت اجاگر ہوگی۔ (انشاءاللہ الرحمٰن)

دوسرا باب: حاجت

حاجت کی لغوی تشریح

حاجت کا معنی ہے ضرورت۔ اس کی جمع حاج، حوج وحاجات ہے۔ یہ عربی زبان کے لفظ خوج سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے افتقار یعنی فقیر ہونا، محتاج ہونا۔

حاجت اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا انسان محتاج ہو۔ قرآن حکیم کی آیت کریمہ **ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا** (۱۴) میں حاجت کا لفظ محتاج الیہ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ تفسیر کشاف میں ہے: **والمحتاج الیہ یسمی حاجۃ یقال خذمنہ حاجتک واعطاہ من مالہ حاجتہ** ۔ آدمی جس چیز کا محتاج ہو اسے حاجت کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں **خذمنہ حاجتک** اس سے اپنی حاجت کی چیز لے لو۔ **اعطاہ من مالہ حاجتہ** اس نے اپنے مال سے اسے حاجت کی چیز عطا کی۔

ایسا ہی تفسیر مدارک التنزیل میں بھی ہے (۱۵) رہائشی مکان، سواری کے جانور، گھر کا سامان، پہننے کے کپڑے وغیرہ کو فقہا نے حوائج اصلیہ سے اس معنی کے لحاظ سے بھی شمار کیا ہے۔ المعجم الوسیط میں ہے:

حاج: حوجا افتقر	محتاج ہوا، فقیر ہوا
الحاج: المفتقر	محتاج
الحوج: الافتقار	احتیاج
الحائجۃ: یفتقر الیہ الانسان ویطلبہ	انسان جس کا حاجت مند وطلب گار ہو

المنجد میں ہے:

الحاجۃ: ج: حاج وحوج وحاجات: مایحتاج الیہ

حاجت **جمع حاج وحوج وحاجات** وہ چیز جس کی آدمی کو ضرورت ہو۔

عربی لغات کے لحاظ سے حاجات کا معنی ضرورت اور ضرورت کا معنی حاجت ہے مگر ضرورت کا اطلاق حاجت پر بھی ہوتا ہے اور حاجت شدیدہ پر بھی۔

المعجم الوسیط میں ہے:

الضرورۃ: الحاجۃ الضروری تدعو الحاجۃ الیہ دعاء قویا ماسلب فیہ الاختیار للفعل والترک ضروری

جس کی شدید حاجت ہو۔ جس میں کرنے نہ کرنے کا اختیار سلب ہو جائے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ لغوی معنی کے لحاظ سے ضرورت حاجت کو بھی کہتے ہیں اور اس حاجت شدیدہ کو بھی جس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے۔

حاجت کا فقہی مفہوم

مجبوری کی وہ حالت جس میں فعل یا ترک فعل پر مقاصد پنج گانہ، دین، جان، عقل، نسب، مال میں سے کسی کا تحفظ موقوف نہ ہو مگر اس کے بغیر مشقت اور حرج وضرر کا سامنا کرنا پڑے۔ جیسے رہنے کا مکان، جاڑے گرمیوں میں پہننے کے

کپڑے روشنی کیلئے چراغ، علمی شغل رکھنے والے کیلئے دینی کتابیں وغیرہ۔ان پر مقاصد پنج گانہ کی حفاظت موقوف نہیں، مگر یہ اسباب فراہم نہ ہوں تو مشقت اور حرج وضرر کا سامنا کرنا پڑے گا اسی لیے فقہائے کرام نے ان اسباب کو حاجت اصلیہ سے شمار فرمایا ہے۔ اور جیسے دین کے لئے عقاید ظنیہ کی تعلیم، جن کا مخالف گمراہ، گمراہ گر، بدعتی اور عند الفقہاء کا فر تک ہو جاتا ہے۔فرائض کفایہ، فرائض عملیہ اور واجبات کی تعلیم، عقل کے لیے محرمات کا ترک، نسب کے لئے غیر اب کی طرف انتساب کی حرمت اور وطی حرام کا ترک۔ واضح ہو کہ حیض ونفاس ونکاح فاسد میں بیوی کے ساتھ جماع حرام ہے۔ جان کیلئے کھانا پینا بقدر مسنون، مال کے لئے اجارہ، بیع مطلق، بیع سلم اور بیع بشروط متعارفہ کا جواز۔

یہ تمام امور حاجات سے ہیں جن پر مقاصد پنج گانہ کا تحفظ موقوف نہیں ہے مگر یہ نہ ہوں تو حرج وضرر لازم آئے گا۔ مثلاً حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کیا تو اس سے پیدا ہونے والے بچے کے ثبوت نسب پر کوئی فرق نہ پڑے گا لیکن وہ بچہ ولد الحرام ہوگا جو اس کے حق میں یقیناً بڑا ضرر وحرج ہے۔(۱۶)

فرق وامتیاز

ضرورت اور حاجت کے درمیان فرق وامتیاز ان کی تعریفات وتشریحات سے عیاں ہے کہ:

۱۔ ضرورت میں مجبوری اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ بندہ اگر حرام چیز کا ارتکاب نہ کرے تو دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کوئی ایک تباہ ہو جائے گا جبکہ حاجت میں مجبوری اس حد کو نہیں پہنچتی کہ ان میں سے کوئی ایک تباہ ہو جائے بلکہ صرف اس حد کو پہنچتی ہے کہ بندہ حرام چیز کا ارتکاب نہ کرے تو اسے ضرر ومشقت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۲۔ ضرورت میں بندے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور حرام میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی چارۂ کام نہیں رہ جاتا جب کہ حاجت میں اختیار یک گونہ باقی رہتا ہے اور وہ بالکل ناچار نہیں ہوتا۔

۳۔ ضرورت میں ضرر اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے خواہ وہ ضرر جان ہو یا ضرر مال یا ضرر عقل ونسب ودین۔اور حاجت میں ضرر اپنی انتہا کو نہیں پہنچتا بلکہ ایک درجہ نیچے رہتا ہے۔سردی سے کانپ رہا ہے مگر اتنا کپڑا ہے کہ ہلاک نہ ہوگا تو مرتبۂ حاجت ہے اور اتنا بھی کپڑا نہ ہو اور ہلاک ہو جائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے تو مرتبۂ ضرورت ہے۔

۴۔ شرعی احکام کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ضرورت مرتبہ فرض میں ہے اور حاجت مرتبۂ واجب میں۔لہذا اگر کسی کے پاس اتنا بھی پانی نہیں کہ ہاتھ، پاؤں، چہرے کو ایک ایک بار دھو سکے تو اسے تیمّم کی اجازت ہوگی ورنہ دین کا یہ فریضہ فوت ہو جائے گا۔ یہ مرتبہ ضرورت ہے اور اگر اتنا پانی ہے کہ ایک یا دو بار ان اعضاء کو دھو سکتا ہے مگر تین بار نہیں دھو سکتا تو اسے تیمّم کی اجازت نہیں کہ یہاں پانی کی کمی سے یہ اثر وضو پر پڑے گا کہ سنت مؤکدہ چھوٹ جائے گی مگر ایسا نہ ہوگا کہ دین کا یہ فریضہ ہی فوت ہو جائے یہ مرتبہ حاجت ہے۔

۵۔ ضرورت کی وجہ سے حرام قطعی بھی مباح ہو جاتا ہے جب کہ حاجت کی وجہ سے صرف مکروہ کی حد تک اجازت ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی بھوک سے مر رہا ہو تو اسے مردار کھانے کی اجازت ہے اور اگر کوئی بھوک سے پریشان تو ہو لیکن جاں بلب نہ

ہوتو اسے اپنے مذہب کے مکروہات کھانے کی اجازت ہوگی۔ خصوصاً ایسے مکروہات جو مذہب شافعی وغیرہ میں مباح قرار دیئے گئے ہیں۔ لہذا وہ کیکڑا کھا سکتا ہے، یوں ہی حلال جانوروں کے وہ اعضاء جنھیں کھانا مکروہ ہے جیسے اوجھڑی وغیرہ وہ بھی کھا سکتا ہے لیکن مردار وخون وخنزیر کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

٦۔ جہاں ضرورت متحقق ہوگی وہاں حاجت بھی ضرور متحقق ہوگی کہ ضرر دونوں میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے، لیکن جہاں حاجت متحقق ہو وہاں ضروری نہیں کہ ضرورت بھی پائی جائے کہ حاجت میں ضرر نسبتاً ہلکا ہوتا ہے اور ضرورت میں پایا جانے والا ضرر برداشت کی حد سے باہر ہوتا ہے۔ (١٧)

عموم بلویٰ (تشریح، اثر ودائرۂ اثر)

عموم وبلویٰ بھی اسباب تخفیف سے ہے جس کا حرج ومشقت کے ازالہ میں بڑا گہرا اثر ہے اور اسکا دائرہ اثر بھی خاصا وسیع ہے۔

عموم بلویٰ کے تشریح لغوی حیثیت سے

عموم بلویٰ کا لفظی معنی ہے عام مشقت، آزمائش، امتحان، سب کا یا اکثر کا مشقت میں پھنس جانا، آزمائش یا امتحان میں مبتلا ہونا، یہ دونوں کا مرکب ہے۔ عموم اور بلویٰ کے ہم الگ الگ دونوں لغوی معانی بیان کرتے ہیں جن کے مجموعہ سے اس مرکب کی تشریح واضح ہوکر سامنے آجائے۔

عموم: کا لغوی معنی ہے عام ہونا، شامل ہونا، شائع ہونا، افراد کا احاطہ کرنا۔ کہا جاتا ہے **عم المطر البلاد** بارش تمام شہروں میں ہوئی۔ کتب اصول فقہ مثلاً **نور الانوار، اصول الشاشی، حسامی، توضیح تلویح، مسلم التبوت، وفواتح الرحموت** وغیرہ میں بھی عموم کا معنی ''شمول وتناول'' ہی بتایا ہے اور بلویٰ یا بلیۃ کا معنی ہے مشقت، آزمائش، امتحان، مصیبت، غم، تکلیف۔ جیسا کہ کتب لغت میں اس کی صراحت ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی معتمد لغت المفردات میں اس کی صراحت ہے۔

بلیٰ کہا جاتا ہے **بلی الثوب بلاء** کپڑا بوسیدہ ہوا۔ **بلاہ سفرٌ** سفر نے تھکا دیا۔ **بلوته** میں نے اسے جانچا گویا کہ میں نے اسے بار بار جانچ کر تھکا دیا۔ غم کو بلا اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ جسم کو گھلا دیتا ہے۔ تکلیف کو کئی وجہ سے بلا کہا جاتا ہے کہ وہ تمام طرح کی تکالیف بدن پر مشقت ہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ یہ ارتکاب اختبارات ہیں یعنی جانچ وآزمائش۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولنبلونكم حتى نعلم المجاهدين منكم والصبرين

''اور ضرور تمھیں وہ جانچیں گے۔ یہاں تک کہ دیکھ لیں تمھارے مجاہدین اور صابرین کو۔''

اب عموم اور بلویٰ دونوں کے معانی کو یکجا کیجئے تو عموم بلویٰ کی تشریح یہ سامنے آئے گی: عام مشقت، تکلیف، سب کا مشقت میں پھنس جانا، حرام میں مبتلا ہونا، آزمائش سے دوچار رہنا، ہلاکت کے دھانے پر پہنچ جانا، عاجز آجانا، یہ مفہوم اس کی فقہی

تعریف میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے بھی عیاں ہوگا۔(۱۸)

عمومِ بلویٰ کی تشریح فقہی حیثیت سے

اس بے مایہ کو عموم بلویٰ کی تعریف کتب فقہ میں نہ ملی، اس لیے اس کے تعلق سے فقہی جزئیات اور فقہا کے ارشادات کو سامنے رکھ کہ اس کی تشریح کی کوشش کی ہے۔مثلا کتاب الطہارت کا ایک مسئلہ ہے کہ **غیر ماکول اللحم** پرندے کی بیٹ امام اعظم علیہ الرحمۃ الرضوان کے نزدیک نجاست حفیفہ ہے۔کیونکہ اس میں عموم بلویٰ پایا جاتا ہے۔مگر صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں عموم بلویٰ متحقق نہیں کیونکہ عموم کیلئے ''کثرت ابتلاء'' چاہیے جو یہاں مفقود ہے۔چنانچہ تبین الحائق میں ہے:

ووجه التغليظ انه لاتكثر اصابته اه (۱۹)

اس کے تحت حاشیہ امام شلبی میں ہے۔

ای فلایکون فیه بلویٰ اه (۲۰)

مغلظہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر بیٹ لوگوں کے اوپر نہیں گرتی اس لئے اس میں بلویٰ وحرج نہیں۔

اس عبارت کے مفہوم مخالف سے یہ معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ کے لیے یہ ضروری ہے کہ محظور میں ابتلا کثرت سے ہونا چاہئے۔

فتح القدیر میں ہے:

لا نها(ای البلویٰ) انماتتحقق باعلبية عسر الانفكات (۲۱)

عموم بلویٰ کا تحقق محض وہاں ہوتا ہے جہاں عام طور سے بچنا دشوار ہو۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ عموم بلویٰ صرف وہاں متحقق ہوتا ہے جہاں محظور شرعی سے بچنا دشوار ہو دوسرا یہ کہ دشواری نادر نہ ہو، بلکہ اغلب ہو، یعنی زیادہ تر پائی جاتی ہو۔فقہائے کرام کے دوسرے ارشادات سے بھی یہی افادات واضح ہو کہ سامنے آتے ہیں جیسا کہ آنے والے جزئیات اس کے شاہد ہیں اور یہ حقیقت تو سب پر عیاں ہے کہ صرف عوام کالانعام کا ابتلا کوئی چیز نہیں ورنہ عوام کا ابتلا بہت سے معاصی میں ہوتا ہے مگر وہ قطعی معتبر ہیں۔مثلاً سجدے میں انگلیوں کا پیٹ نہ لگنا، غسل میں ناک کے نرم بانسے تک پانی نہ چڑھانا، داڑھی منڈانا، نماز نہ پڑھنا، غلط قرأت کرنا وغیرہ۔

عموم بلویٰ کی تعریف

اس تفصیل کی روشنی میں عموم بلویٰ کی تعریف یہ ہوئی وہ حالت وکیفیت جس کے باعث عوام وخواص سب ہی محظور شرعی میں مبتلا ہوں اور دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی ایک کے تحفظ کیلئے اس سے بچنا متعذر یا حرج وضرر کا سبب ہو۔

عموم بلویٰ کا اثر ودائرۂ اثر

عموم بلویٰ کبھی درجہ ضرورت میں ہوتا ہے اور کبھی درجہ حاجت میں جو دائرۂ اثر حاجت اور ضرورت کا ہے وہی دائرۂ اثر عموم بلویٰ کا بھی ہے، تو کچھ خاص امور کر چھوڑ کر یہ بھی عامۃ ابواب فقہ میں تخفیف وتغیر حکم کا سبب ہے جس میں عبارت معاملات وغیرہ سبھی

شامل ہیں۔

عموم بلویٰ کے مسائل

یہ مسائل دو طرح کے ہیں، کچھ تو وہ ہیں جن سے بچنا ممکن نہیں یعنی وہ درجۂ ضرورت میں ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن سے بچنا ممکن ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جو درجۂ حاجت میں ہیں۔

ہم ذیل میں صرف نمونے کے طور پر دونوں کے کچھ شواہد کرتے ہیں:

وہ مسائل جن میں محظور سے بچنا ممکن نہ ہو

اشباہ میں ہے:

اسباب تخفیف سے چھٹا سبب دشواری وعموم بلوی ہے۔شریعت طاہرہ اس کی وجہ سے بھی احکام میں چھوٹ اور آسانی عطا فرماتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ درج ذیل چیزوں سے نجاست کا حکم اٹھالیا گیا ہے۔

[۱] معذور کے جسم سے نجاست برابر نکلتی رہتی ہو کہ جب بھی دھوئے نجاست نکل آئے تو اس کی نماز نجاست کے ساتھ ہی صحیح ہے۔[۲-۳] کپڑے میں پسو اور کھٹمل کا خون، اگر چہ زیادہ ہو۔[۴] سوئی کی نوک کی مقدار کپڑے پر پیشاب کی چھینٹیں [۵] سڑکوں کی کیچڑ۔[۶] نجاست کا اثر (رنگ، دھبہ وغیرہ) جس کا ازالہ دشوار ہو۔[۷] اور قول مفتی بہ پر پانی کے برتنوں کے سوا میں بلی کا پیشاب۔[۸] نیز مذہب مفتی بہ پر سونے والے کے منہ کی رال۔[۹] اور بچوں کے منہ کی رال۔ [۱۰] خشک پاخانے کا غبار۔[۱۱] گوبر کی راکھ کو بھی امت کی آسانی کیلئے پاک مانا گیا ورنہ اکثر شہروں میں روٹی کا ناپاک ہونا لازم آئے گا۔[۱۲] چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ کی طہارت بھی اسی نوع سے ہے۔[۱۳] اور میت کو غسل دیتے وقت اڑنے والی چھینٹیں جن سے نہلانے والا بچ نہیں سکتا۔[۱۴] اور بازاروں کا چھڑکاؤ جس سے قدم بھیگ جائیں۔(۲۲)

بہار شریعت میں ہے:

موزے یا جوتے میں دلدار نجاست لگی جیسے پاخانہ، گوبر، منی تو اگر چہ وہ نجاست تر ہو، کھرچنے اور رگڑنے سے پاک ہوجائیں گی۔(۲۳)

یہ مسلک شیخ مذہب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے جوانہوں نے بوجۂ عموم بلویٰ اختیار فرمایا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جوتے کو زمین سے اچھی طرح پونچھ دیا، اس میں نجاست کا اثر نہ رہ گیا تو وہ بوجۂ عموم وبلویٰ اور اطلاق حدیث پاک ہوجائے گا۔ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف یہی ہے۔(۲۴)

فتح القدیر میں ہے: اکثر مشائخ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر حکم دیتے ہیں اور عموم بلویٰ کی وجہ سے یہی مختار ہے۔(۲۵)

عرف کے لغوی معنی

عرف یا معروف معنی ہیں: مایتعارفه الناس وہ چیز جسے لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ یہاں ''ناس'' یا ''لوگ'' کا لفظ عوام و خواص سب کو عام ہے اور ''چیز'' سے مراد ہے اچھی چیز، کہ بری چیز معروف نہیں منکر ہوتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ عربی زبان کی مشہور و مستند لغت ''لسان العرب'' میں ہے۔

العرف والمعروف واحده ضد النكر وهو كل ما تعرفه النفس من الخير وتبسابه، وتطمئن اليه۔(۲۶)

عرف اور معروف دونوں ایک ہیں ''نکر'' (یعنی نامعلوم چیز یا ناگوار و ناآشنا چیز کی ضد) اور عرف کے معنی ہیں ''ہر اچھی چیز جس سے طبیعت آشنا ہو اس سے مانوس اور مطمئن ہو۔

مدارج کے لحاظ سے عرف کی اقسام

عرف کے مدارج کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں:

ا۔عرف عام ۲۔عرف خاص ۳۔عرف نادر

ا۔عرف عام

وہ امر جو کسی ملک یا صوبے کے بلاد کثیرہ میں عام طور سے عوام وخواص کے درمیان رائج ہو۔

۲۔عرف خاص

وہ امر ہے جو ایک دو شہروں میں عام طور سے عوام کے درمیان رائج ہو۔حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں:

علامہ بیری نے شر اشباہ میں مستصفی کے حوالے سے نقل فرمایا کہ تعامل عام وہ ہے جو شائع ذائع اور معروف و مشہور ہو۔تو ان کا ارشاد ''تعامل عام''، عام مطلق کو بھی شامل ہو۔ جو تمام شہروں میں رائج اور عام مفید کو بھی، جو کسی ایک شہر میں رائج ہو۔تو یہ دونوں عرف جب تک کہ مشہور اور شائع ذائع نہ ہو جائیں عام نہ ہوں گے اور نہ ہی ان پر احکام کی بنیاد ہوگی۔(۲۷)

مصلحت کا لغوی اور شرعی مفہوم

مصلحت ''صلاح'' کا ہم معنی ہے اس کی ضد مفسدہ اور صلاح کی ضد فساد ہے معنی ہے: درست ہونا، ٹھیک ہونا، فساد کا زائل ہونا۔لسان العرب میں ہے:

الصلاح: ضد الفساد	صلاح فساد کی ضد ہے
صلح یصلح، صلاحا	صلح، یصلح کا مصدر صلاح بھی ہے
وصلوحاً، والمصلحۃ	صلوح بھی

الصلاح واحد المصالح اور مصلحۃ کا معنیٰ صلاح ہے جمع صالح

قرآن حکیم کی معتمد و مستند لغت المفردات میں ہے:

صلح فساد کی ضد ہے اور زیادہ تر ان کا استعمال افعال کے ساتھ خاص ہے قرآن عزیز میں صلاح کے مقابل کبھی فساد اور کبھی سیئۃ آیا ہے ایسا کثیر مقامات پر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے، اور ملا یا اک کام اچھا اور دوسرا برا، (۲۸) اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح اور سنوارنے کے بعد اس میں عدل قائم ہونے کے بعد اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

امام محمد غزالی فرماتے ہیں:

مصلحت کا اصل معنیٰ ہے منفعت کا حصول، ضرر کا ازالہ، مگر یہاں مصلحت سے ہماری مراد یہ معنی نہیں ہے اس لئے کہ منفعیت اور دفع ضرر خلق کے مقاصد ہیں اور خلق کی صلاح و درستگی ان کے مقاصد کی تحصیل میں ہے بلکہ مصلحت سے ہماری مراد۔ مقصود شرع کی محافظت ہے اور مقصود شرع پانچ ہیں: [۱] حفاظت دین [۲] جان [۳] عقل [۴] نسل [۵] مال تو جو ان پانچوں امور کی حفاظت کو متضمن ہو وہ مصلحت ہے اور جو چیز ان پانچوں امور کو فوت کردے تو وہ مفسدہ ہے اور اس کا ازالہ بھی مصلحت ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں، دینی ضروری مصلحت، کا شرعی مفہوم ہوگا وہ اہم چیز جو دین، جان، عقل، نسل، مال کی حفاظت کا ضامن ہو مختصر یوں بھی کہہ سکتے ہیں، وہ امر اہم جس میں بھلائی زیادہ اور خرابی کم ہو۔

''فساد'' کا معنی

فساد کا معنی ہے بگاڑ شے کا اعتدال کی حد سے باہر نکل جانا قابل انتفاع ہونے اور درستگی سے خارج ہو جانا معاصی کا اظہار دین کی اہانت ہے۔ قرآن کریم کی لغت المفردات میں ہے:

فسد الفساد خروج الشئی عن العتدال قليلا كان الخروج عنه او كثير او يضاده الصلاح و يستعمل ذالک فی النفس والبدن ولا شياء لخارجة عن لا ستقامة يقال فسدا وفسادا او فسودا وافسده غيره، قال (لفسدت السموات والارض لو كان فيهما آلهة الاالله لفسدتا ظهر الفسا د فی البر و البحر والله لا يحب الفساد واذاقيل لهم لا تفسدوا فی الارض الا انهم هم المفسدون ليفسده فيها ويهلک الحرث والنسل . ان الملوک اذا دخلوا قرية افسدوها. ان الله لايصلح عمل المفسدين والله يعلم المفسدمن المصلح (۲۹)

فساد کا معنی ہے شے کا اعتدال سے باہر ہو جانا۔ خواہ تھوڑا سا باہر ہو یا زیادہ اس کی ضد صلاح ہے اس کا استعمال جان، دل، بدن، اور ان تمام چیزوں کے لئے ہوتا ہے جو درست نہ رہ گئی ہو۔ کہا جاتا ہے۔ فسد وفساد فسودا، ٹھیک نہ رہا افسدہ غیرہ دوسرے نے اسے خراب کر دیا اللہ عزوجل کا

ارشاد ہے: تو ضرور آسمان وزمین تباہ و برباد ہو جاتے ۔[۲] اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے ہے تو ضرور تباہ ہو جاتے ۔[۳] چمکی خرابی خشکی اور تری میں اور اللہ فساد سے راضی نہیں اور جو ان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو۔[۴] سنتا ہے !وہ ہے فسادی ہیں ۔ [۵] تا کہ اس میں فساد ڈالیں اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے ۔[۶] بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ کر دیتے ہیں ۔[۷] اللہ مفسدوں کا کام نہیں بنا تا ۔[۸] اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے (فقہ اسلامی ۳۲۶۔۳۲۷)

مدارک شریف میں ہے:

والفساده خروج الشئی عن حال استقامته و كونه منتفعا به وضده الصلاح وهو الحصول على الحال المستقيمة(۳۰)

فساد یہ ہے کے شے کا حال درست نہ رہے اور قابل انتفا ہونے سے نکل جائے اسکی ضد صلاح ہے جسکا معنی ہے درست حال میں موجود رہنا۔

شرعی احکام پر فساد کا اثر

فساد کا ضرر مصلحت کے نفع سے زیادہ ہو تو فساد و ضرر کے ازالہ کو ترجیح دی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے پہلے ثابت شدہ شرعی احکام بھی بدل جاتے ہیں ہم ذیل میں اس کے چند شواہد پیش کرتے ہیں ۔فتاوی رضویہ میں ہے:

جہاں سے معلوم ہوا کہ قاعدہ فقیہ درء المفاسد اولی من جلب مطلق بہن ہے بلکہ اس شرط سے مقید ہے کہ فساد مصلحت سے غالب پر غالب ہو اور مصلحت اس کے مقابل مغلوب ہو لہذا اس قاعدہ میں قاعدہ فقیہ **قد تراعی المصلحة لغلبتها على الفساد** میں کوئی تعارض نہیں کہ دونوں کا محمل الگ الگ ہے۔

ہاں الگ الگ دو حیثیتوں سے کسی محل میں ان کا اجتماع ہو سکتا ہے جیسے نماز غصب کی ہوئی زمین میں پڑھی جائے اسے اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے دوسرے کی زمین کا بلا اجازت استعمال ہے تو نماز پڑھنی مکروہ ہے اور حیثیت سے دیکھا جائے جائے کہ وہ اللہ عزوجل کی مقدس عبادت ہے جو اجلال و تعظیم کی کیفیات حسنہ پر مشتمل ہے تو فریضہ الٰہی سے سبکدوشی کیلئے کافی ہے۔

یوں ہی عید لفطر کے دن روزہ رکھنے کی سنت کو اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ یہ روزہ ہے جو اللہ عزوجل کی طرف منسوب ہے کا سر شہوت ہے تو بلا شبہ مصلحت ہے اور اسی وجہ سے سنت واجب بھی ہو جاتی ہے اور اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ یہ اللہ تعالی کی ضیافت سے اعراض ہے تو یقیناً وہ مفسدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ادن روزہ رکھنا حرام ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الصلاة فی الارض مغصوبة جائزة ولكن يعاقب بطلمه فما كان بينه وبينالله تعا لى يثا ب وما كا ن كذا فی المختار الفتاوی

غصب کی ہوئی زمین میں نماز درست ہے ہاں۔ غاصب پر اس کے ظلم کی وجہ اسے عذاب ہوگا تو وہ اللہ عزوجل کی عبادت پر ثواب پائے گا اور بندے کی حق تلفی کی وجہ سے عذاب ہوگا۔

السلاۃ جائز فی جنع زلک لا ستجمو شرائطھاوار کا نہا وتعاد غیر مکروہ

ان تمام صورتوں میں نماز صحیح ہے۔ اسلئے کی نماز کے شرائط اور ارکان پائے جاتے ہیں اور غیر مکروں طریقے پر اس کا اعادہ واجب ہے۔(۳۱)

ردالمختار میں ہے:

اذا نـذر صيـام هـذه الايام فانه يلزمه وويقضيه فى غيرها ، رانة لم يصر بنفس النذر مر تـكه للنبهى وانها اللتزم طاعة الله تعالى والمعصية با لفعل فكا نت من ضرورات الميا شرة منح مع زاده

اگر منہیہ یعنی عید وبقرعید اور ذلحجہ کی گیارھویں بارہویں، تیرہویں میں روزے رکھنے کی نذر مانے تو نذر اس کے ذمے لازم ہوگی اور دوسرے دنوں میں اس کی قضاء کریں گا اس لئے کے نذر مان نے سے وہ ممنوع کا مرتکب نہیں ہوا کیوں کی اس نے اللہ تعالی کی اطاعت اپنے ذمے لازم کی معصیت ان دونوں میں روزہ رکھنا ہے۔ لہذا ایام مھیمہ میں روزہ رکھنے سے تو معصیت کا تحقق ہوگا لیکن روزہ اپنے ذمے واجب کر لینے سے معصیت تحقق نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:

يـكـره حـضـورهـن الـجـمـاعة ولـو لـجـمعة وعيد ووعظ مطلقا ولوعجوزا ليلا على المزهب المفتى به لفسازالزمان.

فسادزبان کی وجہ سے مذہب مفتی بہ یہ ہے کے عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مطلق مکروہ ہے اگر چہ وہ حاضری جمعہ وعیدین ادا کرنے اور وعظ سنے کے لئے ہو اور اگر چہ عورت بوڑھی ہو۔ اور رات کا وقت ہو

مسلم شریف میں ہے:

عـن يـحـى وهـو ابن سعيد عن عمرة بنت عبد الرحمن انها سمعت عا ئشه روج النبى ﷺ تـقـول:لـو انـرسـول ﷺ راى ماما ء ا حدثالنساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل قال : فقلت لعمرة : انسا بنى اسرائيل منعن النسجد قالت نعم۔

یحی بن سعید سے مروی ہے وہ عمر بنت عبدالرحمٰن سے راویت کرتے ہیں کہ انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا یہ حال دیکھتے تو ضرور انھیں مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے ج جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں روک دی گئی، روی کہتے ہیں میں نے عمرہ سے پوچھا: کیا بنی عورتیں مسجد میں آنے سے روک دی گئی تھیں؟ تو انھوں نے کہا ہاں۔

بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

عن یحی بن سعید عن عمرة عن عائشه قلت :لو ادرک رسول لله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة : او منعن قالت نعم ۔

''یحیٰ بن سعید عمرہ سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہ انھوں نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا یہ حال دیکھتے تو ضرور انھیں مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے جیسے کے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ سے پوچھا: کیا وہ روک دی گئی تھیں تو انھوں نے کہا ہاں۔''

غرض یہ ہے کی مصلحت وفساد مختلف حیثیتوں سے محل واحد میں جمع ہو سکتے ہیں اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں دونوں میں سے ایک غالب اور دوسرا مغلوب ضرور ہوگا۔ شرعی احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

عہد رسالت میں عورتوں کو حاضری مسجد و جماعت و جمعہ وعیدین کی اجازت تھی، پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے فساد زمانہ کی وجہ سے ان کو حاضری سے روک دیا۔ پہلے یہ پابندی بوڑھی عورتوں کے لئے مخصوص اوقات میں اور جوان عورتوں کے لئے مطلقا تھی پھر فساد عام ہو جانے کی وجہ سے تمام اوقات میں عورتوں کے لئے پابندی ہوگئی۔

حوالہ جات

(۱) فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول، مفتی محمد نظام الدین رضوی، لاہور، ص۴۶ تا ۵۵

(۲) المعجم الوسیط (عربی)، ابراہیم مصطفی، دارالدعوۃ

(۳) کتاب التعریفات (عربی)، علامہ علی بن محمد شریف الحرجانی، مکتبہ لبنان بیروت، ۱۹۶۹ء، ص ۱۳۸

(۴) المنجد، اردو بازار، کراچی

(۵) فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول، مفتی محمد نظام الدین رضوی، لاہور، ص ۶۰

(۶) قرآن مجید، سورہ مائدہ، آیت نمبر ۳

(۷) بہار شریعت (اردو) حصہ ۱۵، مولانا امجد علی، شبیر برادرز اردو بازار، لاہور، ص ۵۰۸

(۸) الاشباہ والنظائر، عالم علامہ زین الدین بن ابراہیم، آرام باغ کراچی، ص ۲۴

(۹) قرآن مجید، آیت نمبر ۶۲، ۶۳، سورہ انبیاء

(۱۰) قرآن مجید، پارہ ۲، آیت ۱۷۳، سورہ بقرہ

(۱۱) قرآن مجید، پارہ ۵، آیت ۳، سورہ مائدہ

(۱۲) المفردات، امام راغب، دارالکتب العلمیہ، بیروت (عربی) ص ۱۱۲، ابوالقاسم الحسین بن الراغب اصفہانی

(۱۳) فتاوی رضویہ ج۱، باب الغسل وفتاوی، رضا فاؤنڈیشن ص۲۰۳

(۱۴) قرآن مجید، سورہ حشر، آیت ۵۹، پارہ ۹

(۱۵) تفسیر مدارک التنزیل، امام بن احمد بن محمود نسفی، دار القلم، بیروت، ۱۴۱۹ھ (عربی) ص۳۴۱، ج۴

(۱۶) فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول، مفتی محمد نظام الدین رضوی، ص۱۳۲ تا ۱۳۳

(۱۷) ایضا، ص۱۳۶ تا ۱۳۸

(۱۸) المفردات فی غریب القرآن، ص۶۱

(۱۹) تبیین الحقائق ص۳۰۴، ج۱، باب الانجاس، برکات رضا، گجرات

(۲۰) فتح القدیر، امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد، دار الکتب العلمیہ (عربی)

(۲۱) الاشباہ والنظائر، القاعدہ رابع من فن الاول، مطبع ادارۃ القرآن، پاکستان، ص۲۲۷ تا ۲۲۹

(۲۲) الاشباہ والنظائر، مطبع نول کشور، مطبع ادارہ القرآن پاکستان ص۲۲۷ تا ۲۲۹

(۲۳) بہار شریعت ج۱، مکتبۃ المدینہ، ص۴۰۱

(۲۴) ہدایہ ج۱، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی، مکتبہ رحمانیہ، ص۶۹

(۲۵) فتح القدیر، امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد، دار الکتب العلمیہ (عربی) ص۱۷۳، ج۱

(۲۶) لسان العرب، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، ابن منشور، مکتبہ دار صادر، ۲۰۰۳ء، ص۲۰۷، ج۹، بیروت

(۲۷) رسائل ابن عابدین، ص۱۳۲، ج۲، رسالہ نشر العرف فی احکام العرف، بیروت

(۲۸) المفردات فی غریب القرآن، ص۳۷۹ تا ۳۸۰

(۲۹) ایضاً

(۳۰) تفسیر مدارک التنزیل، ص۲، ج۱، جامع محلّہ ممبئ

(۳۱) فتاویٰ عالمگیری، ص:۱۰۹، ج:۱، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ ومالا یکرہ